ہفت تماشائے مرزا قتیل

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب ۔ اُستاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ ۔ نئی دہلی

(۶)

سنیاسیان | سنیاسی میں یائے نسبتی ہے، یعنی سنیاس کرنے والا ۔ سنیاس کے معنیٰ ہندی میں ترک وتجرید کے ہیں ۔ یائے نسبتی اگرچہ عربی الفاظ پر آتی ہے لیکن اب ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کی وجہ سے ہندی میں بھی استعمال ہونے لگی ہے ۔ اس لفظ سنیاسی کے سوا اور بھی ہندی الفاظ میں یائے نسبتی آتی ہے ۔ جیسے جوگی، بیراگی اور روگی ۔ جو جوگ، بیراگ اور روگ سے منسوب ہیں لیکن یہ یہ ترکیب شاہ جہان آباد کی زبان (اردو) اور کسی حد تک بھاکا (موجودہ ہندی) کے ساتھ مخصوص ہے ۔ مگر ہندی قدیم یعنی سنسکرت میں یائے نسبتی کی گنجائش نہیں ہے ۔ کیونکہ زبان اردو معرّب نہیں بلکہ مرکب زبان ہے (یعنی کئی بولیوں اور زبانوں کا آمیزہ ہے) اور بھاکا میں کبیران (یعنی شاعروں نے) عربی کے بعض حروف وکلمات میں کچھ تغیر و تبدل کر کے انھیں ہندی بنالیا ہے جیسے ظالم کی جگہ جالم یا ضامن کے بدلے جامن یا کھت (خط) یا سیسا (شیشہ) یا کجیا (قضیہ) کِسّا (قصّہ) مگر یہ لفظ بغیر تشدید کے ہندی میں جھگڑے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔

بہرحال سنیاسیوں کا فرقہ قدیم ہے اور عبادت و ریاضت میں یہ لوگ تارک الدنیا اور فقراء کی طرح ہیں ۔ اہل شرع ہندوؤں کے آئین کی پابندی نہیں کرتے ۔ اس جماعت کے بیشتر لوگ شریف النفس تارکِ دنیا، بے لوث اور خاک نشین پائے جاتے ہیں ۔ اکثر بالکل ننگے رہتے ہیں ۔ انھیں ستر کے کھلے رہنے سے بھی شرم نہیں آتی ۔ اُن کے بدن کا لباس صرف پنڈول ہے جو یہ جسم پر ملتے ہیں اور بچھونا بھی خاک ہی کا ہوتا ہے ۔ بعض لوگ خاک سے بھی تعلق نہیں رکھتے، اسے بھی ترک کردیتے ہیں ۔

لیکن یہ لوگ فسق و فجور کے پاس بھی نہیں پھٹکتے۔ ہندی میں انھیں ناگے کہتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ سپاہی پیشہ بھی ہوتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے یہاں نوکری کرنے سے پرہیز نہیں کرتے۔ جو کوئی ان کو روپیہ دے اُسی کے مطیع و فرمانبردار ہوجاتے ہیں۔ اور جنگ کے موقع پر بڑی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن ان میں بہت سے بدذات، چور، ڈاکو، قزاق، سودخور، زانی، شراب نوش اور بدزبان ہوتے ہیں، سور کا گوشت بڑی رغبت سے کھاتے ہیں، بعض لوگ، جو کسی کے ہاں ملازم نہیں ہیں، اُن کا شغل چوری اور ڈکیتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چند ہزار ناگے جمع ہو کر کسی نئے ملک میں جا پہنچتے ہیں اور جس شہر میں بھی جاتے ہیں وہاں کے حاکم کو نذر دے کر اُس سے مہمانی طلب کرتے ہیں۔ اور متمول ہندوؤں مثلاً مہاجن وغیرہ کو گرفتار کرکے خاطر خواہ اُس سے دولت حاصل کرتے ہیں۔ اگر طرف ثانی نے پہلے ہی سوال میں اُن کی خواہش کے مطابق یا اُس سے کم اُن کو روپیہ دیدیا تو اُس سے اپنا ہاتھ اُٹھا لیتے ہیں اور دوسرے کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں وگرنہ اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اتنے بینت مارتے ہیں کہ اس پر موت کو بھی ترس آنے لگتا ہے۔ ان کی حرکات و سکنات مداری فقیروں کے مانند ہیں۔ لیکن مداری اپنا ستر ڈھکتے ہیں اور یہ لوگ نہیں ڈھکتے۔ بعض سنیاسی دکن کے شہروں میں امیرانہ شان و شوکت کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ لوگ روپیہ جمع کرکے اُسے تجارت میں لگا دیتے ہیں اور سود پر چلاتے ہیں اور بیٹھے بیٹھے لاکھوں کما لیتے ہیں۔ انھیں اگر ایک ہزار روپیہ دستیاب ہوتا ہے تو اُس میں سے سو روپیہ خرچ کرتے ہیں، باقی سب جمع کی مد میں جاتا ہے۔ ناگاؤں کی طرح یہ لوگ بھی بدباطن اور فتنہ پرور ہوتے ہیں۔ نیک آدمی اس گروہ میں عنقا ہے لیکن ناگاؤں کے برعکس یہ لوگ ستر ڈھانپتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ گیرو سے رنگی ہوئی زردی مائل سرخ چادر کے سوا کچھ نہیں پہنتے۔ چاہے اُن کے اصطبل میں ہزارہا گراں قیمت گھوڑے اور فیل خانے میں سیکڑوں فیل فروخت ہونے کے لئے موجود ہوں۔ اور بعض گیروے رنگ کی ایک پگڑی سر پر رکھتے ہیں یا اسی رنگ کی ایک چادر کندھے پر ڈال لیتے ہیں۔ باقی لباس بیش قیمت اور اعلیٰ

درجے کا پہنتے ہیں۔ یہ لوگ پری طلعت عورتوں اور خوبصورت بچوں سے اختلاط کرکے دنیا اور آخرت میں اپنا منہ کالا کرتے ہیں۔ یہ بچے بظاہر اُن کے چیلے یا بالکے کہلاتے ہیں۔ مرید عورت کو چیلی یا بالکی کہتے ہیں۔

سنیاسی فرقے کے لوگ مہادیو کے ماننے والے ہیں اور کسی دیوتا کو اس کے برابر نہیں جانتے اُن میں جو لوگ دنیا دار ہیں وہ سر اور ڈاڑھی کے بال تراشتے ہیں۔ اس مذہب میں ریاضت شاقہ بہت زیادہ ہے۔ بعض لوگ ہاتھوں کو اتنی مدت تک اُوپر اٹھائے رکھتے ہیں کہ وہ خشک ہو جائے۔ بعض اپنے پیروں کو گردن کی طوق بنا لیتے ہیں اور اسی حالت میں وہ سوکھ جاتے ہیں اور بعض لوگ ایک پیر کو خشک کرکے دوسرے پیر سے کام لیتے ہیں۔ چونکہ ہندوؤں کے عقائد میں تناسخ، تماسخ تماسخ اور تفاسخ چاروں الگ الگ داخل ہیں، یعنی آدمی کی روح کا دوسرے آدمی کے بدن میں منتقل ہونا، انسان کا حیوان ہونا یا درخت کی شکل میں نمودار ہونا یا پتھر بن جانا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خدا عادل ہے، ظالم نہیں ہے، اور عادل کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ گناہگاروں کو بُرے عمل کی سزا اور نیکوں کو اچھے عمل کی جزا دیتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ کسی بادشاہ کے حرم میں ایک ملکہ کے بطن سے پیدا ہوتا ہے، دوسرا ایک خاکروب عورت کے بطن سے وجود میں آتا ہے اور ایک شخص دنیا میں پیدائش کے دن سے اپنی تمام عمر عیش و عشرت میں گذارتا ہے اور دوسرا شخص ساری عمر بیمار اور محتاج رہتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر خدا موجود نہیں ہے تو یہ جو کچھ پیش آتا ہے، اُس کا تعلق تقدیر اور محض اتفاق سے ہوا لیکن اگر کوئی پیدا کرنے والا اور پالن ہار موجود ہے تو پھر شاہزادہ، شاہزادہ کیوں ہوا، اور خاکروب کا بچہ خاکروب ہی کیوں رہا۔ اگر شاہزادہ کی عزت اور خاکروب کی ذلت کا کوئی سبب نہیں ہے تو فاعلِ حقیقی کا فعل لغو معلوم ہوتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

اور اگر ان بچوں کو اپنے ہی اعمال کی سزا یا جزا ملی ہے تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس سے پہلے بھی اس دنیا میں ان کا وجود رہا ہوگا۔ اسی سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ایک بادشاہ

کے گھر اور دوسرا بھنگی کے گھر کیوں پیدا ہوا۔ اسی سے نسخ، رسخ اور فسخ کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ درخت آخر درخت کیوں ہے اور پتھر پتھر کیوں ہوا اور حیوان، حیوان کیسے بن گیا۔ دانشمند لوگ ان ریاضتوں پر ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ بدبخت جو ایک پیر پر کھڑے کھڑے دوسرے کو سکھا دیتے ہیں، یقیناً اس زمانے سے پہلے کسی دوسری جون میں پیدا ہوئے ہوں۔ اور انھوں نے اللہ کے بندوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت نہ دی ہوگی۔ جبھی تو وہ اس جنم میں سزا پا رہے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے اپنے ہاتھ سکھا لئے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ کسی زمانے میں انھوں نے کسی مسکین کا ہاتھ توڑا ہوگا۔ اور یہی لوگ یعنی ہندو مذہب کے عقلاء روایت بیان کرتے ہیں کہ سیتا کے فراق میں رام اپنے بھائی لچھمن اور چند دوسرے رفیقوں کے ساتھ ایک جنگل میں پہونچے اور لچھمن کو خود رو گھاس (سبزی) توڑ کر لانے کے لئے بھیجا تاکہ وہ اپنے اور ساتھیوں کے لئے کچھ کھانا بنا سکیں۔ لچھمن نے بہتیری کوشش کی اور چاروں طرف دوڑ دھوپ کی مگر کسی اگنے والی شے کا نشان نہ ملا۔ آخر مایوس ہو کر واپس آئے۔ اور حقیقت حال سے اپنے بھائی کو مطلع کیا۔ رام نے سر ہلایا اور کہا کہ تمام جنگل سبزہ سے بھرا پڑا ہے لیکن آج کے دن ہماری قسمت میں کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ پچھلے جنم میں آج کے دن میں نے کسی برہمن کو کھانا نہیں کھلایا تھا۔

سنیاسیوں کے دس گروہ ہیں اور ہر ایک گروہ کے الگ الگ نام ہیں۔ اس فرقے والے جنیو کا استعمال نہیں کرتے۔ برہمنوں میں بھی جو لوگ سنیاسی ہو گئے ہیں وہ گردن میں زنار نہیں ڈالتے۔ یہی حال کھتری سنیاسیوں کا ہے۔

کبیر پنتھی | کبیر ایک مسلمان جولاہے کا نام تھا جو مگہر کا رہنے والا تھا۔ یہ لکھنؤ سے چھ سات منزل کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رامانند نامی ایک فقیر نے، جو ابتدا میں کئی برس تک سنیاسی رہا تھا اور اس زمانے میں اس نے بہت عبادت و ریاضت کی تھی۔ آخر میں وہ بیراگی ہو گیا۔ اور اس حالت میں بھی اس نے مرتبۂ کمال تک ترقی کی۔ وہ ایک دن راستے سے گذر رہا تھا۔ کبیر اس کے حالات دیکھ کر بے قابو ہو گیا اور اس کی خدمت میں رہنے کا مشتاق ہو کر استفادہ کی امید میں اس کے پاس

آنا جانا شروع کردیا۔ راما نند نے اس سبب سے کہ کبیر مسلمان ہے اس سے اعراض کرنا شروع کیا اور اس کی تربیت کی طرف متوجہ نہ ہوا لیکن جب اُس نے دیکھا کہ وہ عاشقِ صادق ہے اور کوئے محبت کی خاک کے سوا بدن پر کوئی لباس بھی نہیں رکھتا تو اُس کے حال پر مہربان ہوگیا اور ذکر و شغل کی تعلیم سے اُس کے باطن کو، جو ناآگہی کے باعث تاریک تھا، اپنے اعتقاد کے بموجب نورِ عرفاں سے منور کردیا۔ یعنی اُس شخص کو جس پر اسلام کی محض تہمت تھی، "رشکِ ہندواں" بنا دیا۔ وہ اللہ کا بندہ رات دن رام اور کنہیا کی یاد میں محو رہتا تھا۔ آخر میں اُس کا جنون ترقی کی طرف مائل ہوا اور اس راستے پر جس سے راما نند آیا جایا کرتے تھے، وہ (کبیر) رات دن زمین پر پڑا رہ کر زندگی بسر کرنے لگا۔ اور کنہیا اور رام کی مدح میں کبت اور دوہے کہہ کر اونچی آواز سے گایا کرتا تھا۔ ہندوؤں کے گمان کے مطابق رفتہ رفتہ مقرب درگاہِ الٰہی میں سے ہوگیا۔ ایک دن راما نند نے اس کو اپنے سینے سے لگاکر بھیجا اور وہ نعمت جو کہ اُس سے پوشیدہ رکھی تھی، اسے بخش دی۔ لہٰذا تمام ہندوؤں نے پابوس ہو کر اُس کو ذخیرۂ سعادت سمجھا اور اُس سے فیضیاب ہوئے۔ ان ہی لوگوں کے قول کے مطابق کنہیا بے تکلف کبیر کے گھر آتا جاتا تھا اور اُس کا جھوٹا (کھانا پانی) ہندو لوگ کھا لیتے تھے۔ مگر نہیں کھاتے تھے برہمن لوگ۔ کہتے ہیں ایک دن کچھ برہمن کبیر سے ملاقات کرنے کے لئے اُس کے مکان پر گئے۔ کبیر نے اُن کے لئے کھانا پکایا۔ جب اُس نے کھانا کھانے کو کہا تو انھوں نے کہا کہ اگر کنہیا خود آکر اجازت دے تو ہم یہ کھانا کھا سکتے ہیں۔ کبیر نے اس کی صورت کا تصور کیا اور کنہیا اس کی مجلس میں ظاہر ہوگیا اور کبیر کا دل رکھنے کے لئے برہمنوں کو کھانا کھانے کی اجازت دے دی۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے کبیر سے یہ بات تمہارے جمالِ جہاں آرا کے مشاہدہ کرنے کے لئے کہی تھی۔ ورنہ ہم برہمنوں کو کبیر کا جھوٹا کھانے سے کیا تعلق۔ اور تم ایسا حکم دینے پر مجبور ہو، کیونکہ جو شخص خلوصِ نیت سے تمہاری محبت کا دم بھرتا ہے تم اُس پر فریفتہ ہو جاتے ہو۔ اور ہر کام میں اس کی خاطرداری ملحوظ رکھتے ہو۔ تم نے خود کتاب میں ایسے طعام سے منع کیا ہے اور اب خود تم اُس کے کھانے کا حکم دے رہے ہو۔ پس ثابت ہوا کہ تم اس کھانے کو برہمنوں کے لائق ۔۔۔

سمجھتے لیکن کبیر کی بھگتی سے شرمندہ ہو کر ہم لوگوں کو اُس کے کھانے کا حکم دیتے ہو۔ یہ بات سُن کر کنہیا جی خاموش ہو گئے اور برہمن بغیر کھانا کھائے واپس چلے گئے۔

یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن کسی جانب سے ایک سپاہی مگہر میں آیا، ایک بقال کی دوکان کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً کبیر کی بیوی آٹا یا روغن خریدنے کے لئے اس بقال کی دوکان پر آئی۔ سپاہی اس عورت کو دیکھ کر دل دے بیٹھا۔ اور ہزاروں جان سے اُس کا خریدار ہو گیا۔ یہ عورت بھی باشعور تھی۔ اس کی حالت کو سمجھ گئی۔ وہ اپنے گھر واپس تو آ گئی لیکن سپاہی کی محبت اُس کے دل میں جم گئی۔ اب وہ ہر روز اس کا حال دریافت کرنے کے لئے اور اس کے دیدار سے اپنی تسلی کرنے کے لئے کسی نہ کسی بہانے سے وہاں جاتی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد ایک ہمراز عورت کے توسط سے ان دونوں کے درمیان مستحکم عہد و پیمان ہوئے کہ چونکہ کبیر کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر ماہ کے بعد دو تین دن کے لئے ایک بتخانہ کی زیارت کو جاتا ہے۔ اس وقت نئے مہینہ کے شروع ہونے میں دو روز باقی ہیں یقین ہے کہ جب یہ مہینہ ختم ہو گا تو وہ عبادت کے لئے یہاں سے جائے گا اور اس کے جانے کے بعد ہم دونوں کی ملاقات میں کوئی مانع نہ ہو گا۔ عاشق شیدا اس جاں بخش خوشخبری کو سُن کر دن گننے لگا۔ جب مہینہ ختم ہوا اور اس محبوبہ کا شوہر اپنی عادت کے مطابق بتکدہ کے لئے روانہ ہوا تو معشوق کی طرف سے اُس کے بلانے کے لئے کسی آدمی کے آنے کا وہ انتظار کرنے لگا۔ اور اُس نے خود بھی اس خیال سے کہ شاید معشوقہ اُسے اپنے گھر بلانا مناسب نہ سمجھ کر خود اُس کے پاس آنے کا ارادہ کرے، ایک خلوت کدہ مہیا کر لیا تھا۔ اتفاق سے اُس دن شدید بارش ہونے لگی اور بڑے زور کا سیلاب آیا۔ دریا عبور کرنا اپنی طاقت سے باہر دیکھ کر کبیر اپنے گھر واپس لوٹ آیا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کی بیوی بھڑکیلا لباس پہنے بیٹھی ہے۔ اُسے تعجب ہوا اور اُس نے اس آرائش کا سبب دریافت کیا۔ بیوی نے اُس سپاہی کے عشق اور اپنے ارادے کو اُس پر ظاہر کیا۔ یہ قصہ سُن کر کبیر نے اپنی بیوی کو اُس سپاہی کے پاس جانے کی کھلے دل سے اجازت دے دی یہاں تک کہ وہ شوہر کی اجازت کے مطابق اُس عاشق کے پاس گئی اور شوہر کے واپس لوٹ آنے

اور اس سے ملاقات کی اجازت پانے کا تمام قصہ اس سے بیان کیا۔ یہ بات سنتے ہی سپاہی کے حواس گم ہوگئے اور اس کے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی۔ آخر میں اس نے یہ کہا کہ تم میری ماں ہو اور تمہارا شوہر کبیرؒ میرا باپ ہے۔ اب اس کے علاوہ میرا تم سے کوئی معاملہ نہیں رہا۔ اور قیامت تک اسی عقیدہ پر اٹل رہوں گا۔ عورت نے ہرچند معشوقانہ انداز سے اس سے چھیڑ چھاڑ کی۔ سپاہی نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا اور گفتگو ختم کرنے کے بعد اس کو کبیر کی خدمت میں پہونچا دیا۔

بیدانتی | ہندوؤں کی ایک جماعت ہے کہ اس کو بیدانتی کہتے ہیں۔ کیونکہ بیدانت کے معنی تصوف کے ہیں۔ لغت کے لحاظ سے نہیں بلکہ اصطلاح کے اعتبار سے۔ کیونکہ تصوّف کے لغوی معنی اون پہننے کے ہیں۔ عرب میں ایک جماعت تھی وہ لوگ صوف پہنتے تھے اور ان میں سے ہر ایک شخص اپنے آپ کو خدا کا مقرب سمجھتا تھا ان کے اوقات یہ تھے کہ شرعی عبادات سے ذکر و شغل کو عبادتِ شرعیہ سے زیادہ سمجھتے تھے اور روزہ و نماز کے اتنے فریفتہ نہ تھے۔ تحفۂ اثنا عشریہ کے مصنف مولوی عبدالعزیز کے والد شاہ ولی اللہ محدثؒ اپنی تصنیف موسومہ بہ قرۃ العین فی تفضیل الشیخین میں لکھتے ہیں کہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے اس جماعت کو قتل کر دیا تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ لوگ باطل کے پیرو تھے کیونکہ علیؓ کا انہیں قتل کرنا اس جماعت کے عقائد کے باطل ہونے کی قوی دلیل ہے۔ اصل خواہ کچھ ہی ہو لیکن اس کا مفہوم یہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔

بہرحال ان کا عقیدہ یہی تھا کہ اس زمانے میں دو جہان کی سعادت حاصل کرنے کا ذریعہ صوفیوں کی پیروی ہے۔ وہ لوگ اچھی آواز پر ہا ھو کرتے تھے اور بیتاب ہو کر رقص کرتے تھے۔ اس حکایت کو یہیں چھوڑتا ہوں اور اصل مطلب کی طرف آتا ہوں۔

ہرچند بیدانتی لوگ ہندوؤں کے مذہب میں اس کی شریعت کے راستے سے ہٹ کر چلتے ہیں لیکن تمام ہندو اس فرقے کو اپنا مرشد کامل اور رہنما سمجھتے ہیں اس کے باوجود کہ ان میں سے ہر ایک فرد اپنے آپ کو عین خدا سمجھتا ہے۔ جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے فصوص میں لکھا ہے۔ بیدانتیوں کے اقوال کا ترجمہ کسی نسخہ میں نہیں ہے لیکن صوفیوں کے اعمال وہی ہیں جو بیدانتیوں کے اعمال ہیں۔

بس اتنا فرق ہے کہ انھوں نے اصطلاحات کے نام بدل دیئے ہیں اور رقص و وجد کو جو چشتیہ سلسلہ میں بہت رائج ہے انھوں نے بیراگیوں سے سیکھا ہے کیونکہ وہ لوگ بھی اکثر بتوں کے سامنے رقص کرتے ہیں۔ دوسری لطف کی بات یہ ہے کہ بیاس کے لڑکے سکھدیو کے قصّے اور ساتویں اوتار رام کی بیوی سیتا کو الدکی نقل بعض صوفیوں سے منسوب کرتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے

کہ بیاس ہندوؤں کے مذہب میں بڑا عالم و فاضل ایک شخص تھا جس نے بہت عبادت و ریاضت کی تھی اور درگاہ کبریا کے مقربوں میں سے ہوگیا اور اس کو حی ابدی (امر) بھی کہتے ہیں اور اس کا ایک لڑکا تھا وہ بھی اپنے باپ کی طرح علوم عقلیہ میں ماہر تھا اور ابتدائے شعور سے تحقیق کا ذوق رکھتا تھا اُس کا نام سکھدیو تھا وہ ہمیشہ اپنے باپ سے یہ سوال کیا کرتا تھا کہ خدا اور مخلوق کے درمیان کیا نسبت ہے۔ بیاس اس سوال کو سُن کر خاموش ہوجایا کرتا تھا۔ جب بیٹے کا اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو اس نے راجہ جنک کے پاس بھیجدیا جس نے فقر اور توکل کی منزلیں طے کی تھیں اور جو ظاہر میں شاہانہ شان و شوکت رکھتا تھا۔ مگر فقیری کی منزلیں طے کرچکا تھا چونکہ وہ شراب وحدت کا دُرد آشنا تھا اور شاید بیاس کا یہ گمان تھا کہ اس کے بیٹے کو مطمئن کرنا اُس کے علاوہ کسی کا کام نہ تھا۔ بہرحال جب سکھدیو راجہ کے گھر پہونچا اور دربان نے اسے خبر کی کہ سکھدیو نامی شخص در دولت پر حاضر ہے راجہ نے اس عمارت میں جو دروازہ سے اس کی مسندگاہ تک بنی ہوئی تھی پری پیکر عورتوں کو فاخرہ لباس اور بیش بہا زیورات سے آراستہ پیراستہ کرکے بٹھا دیا اور حکم دیا کہ آج کے دن در دولت پر آیا ہوا فقیر جب عمارت میں داخل ہو تو ان میں سے ہر ایک حور پیکر اُس کے استقبال کو دوڑے اور معشوقانہ انداز سے اُس سے اختلاط کرے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر گراں بہا جواہرات اور نفیس کپڑے کی کشتیاں اور دیناروں کے صندوق رکھ کر محافظوں سے کہا کہ جب وہ فقیر ان کے قریب پہونچے تو یہ سب کچھ اُس کے آگے ڈالدیں۔ یہ ملازمین حکم کے مطابق جب دونوں عمارتوں میں چلے گئے تو راجہ نے سکھدیو کو اپنی خدمت میں طلب کیا جیسے ہی وہ شاہانہ دولت سرا میں داخل ہوا ویسے ہی حسین عورتوں نے اُس عمارت سے نکل کر اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس کے ساتھ دلبرانہ اور معشوقانہ چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ جوش و اختلاط تو درکنار سکھدیو نے ان کو نظر پھیر کر بھی نہ دیکھا۔ جب انھوں نے اس کو ملتفت ہوتے نہ دیکھا تو اپنے مقام پر واپس لوٹ آئیں۔ اسی طرح وہ جواہرات اور اسباب اور نقدی روپیہ کی لالچ کا شکار نہ ہوا۔ اس نے سوچا بھی نہیں کہ یہ کس کے لئے اور کیوں ہے۔ ان واقعات کو سُن کر راجہ جنک کو معلوم ہوگیا کہ سکھدیو کاملوں میں سے ہے۔ جب راجہ کی نظر سکھدیو پر پڑی تو اس نے یہی کہا کہ اے سکھدیو تم خدا رسیدہ لوگوں میں سے ہو اور خدائی بھیدوں میں سے کوئی بھید تم سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ تیرا باطن ایک ایسا آئینہ ہے کہ اُس میں علوم غیبیہ کی صورتیں منقش ہوتی ہیں۔ تجھے کسی معلم یا مرشد کی ضرورت نہیں ہے کون سا عقدہ باقی ہے جسے تو نے اپنے ناخن تحقیق سے حل نہیں کیا۔ سکھدیو یہ باتیں سُن کر راجہ سے رخصت ہوگیا۔ راقم الحروف نے یہ قصہ خود اپنی آنکھوں سے کتاب میں دیکھا ہے جو چشتیوں کے پیشوا اور مقتدا ابراہیم ادہم صوفی سے منسوب ہے

(باقی)